ڈاکٹر فرید حسینی* جویریہ بتول**

Dr. Fareed Hussaini
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Chakwal, Chakwal.

علامہ اقبال کی غزل میں صوفیانہ رنگ: تنقیدی جائزہ

Sufi Shades in Allama Iqbal's Ghazal: A Critical Analysis

Abstract:

Allama Muhammad Iqbal being great poet and a modern mind, has given a crystal clear message to "Muslim Ummah" to solve their challenges. He focused on the Islamic main two spheres i.e., "Shariat" and "Triqat", which represent the scholars and saints respectively. Iqbal, by following Maulana Jalal-ud-Din Roomi, thought that the Sufi Islam is more relevant, especially in the context of purification of the soul. Iqbal, in his poetry, potray the true face of Islam and criticized Sheikh (Religious Scholar) and the traditional Sufi, who teaches to worship only and avoid practice? In "ghazal" which is always considered to be a genre describes beauty & love, Allama made experiments, both in artistic way, and in subjects etc. In this article, the couplets highlighted in which Iqbal's spiritual message conveyed to his audience.

Keywords: Iqbal, Rumi, Ghazal, spiritualism, Ghazal, SufiShades, Iqbal's Ghazal, Urdu Ghazal

ڈاکٹر غلام مصطفی خان نے علامہ اقبال کے بارے میں لکھا ہے:

"عشق رسول اور قرآن مجید ہی سے علامہ اقبال کے شخصی عناصر (personal elements) کی تعمیر ہوئی ہے۔"(۱)

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف چکوال، چکوال
** پنجاب سکول ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، ملتان

اس قول کی تردید اور تائید سے قطع نظر علامہ کی فکریات(Thoughts) پر نظر ڈالی جائے تو ان کے کلام کا معتد بہ حصہ اسلام کو بطور دین موضوع سخن بناتا ہے، نظموں کی حد تک تو ان کے عنوانات ہی متون اور موضوعات کی چغلی کھاتے ہیں مگر غالب اور دو شعراء میں خواجہ میر درد کے بعد یہ اختصاص اقبال کو حاصل ہے کہ عشق حقیقی ان کی غزلوں میں مترشح ہے اور وہ بہت سے دقیق مسائل اور لطیف فلسفیانہ نکات کی گرہیں اسی صنف سخن میں کھولتے ہیں۔ اسی بابت رشید احمد صدیقی راقم طراز ہیں:

> ”اقبال اپنے سامنے ایک مقصد رکھتے تھے جس سے ہم کو اشنائی کرانا چاہتے تھے یہ مقصد تھا
> اسلامی عقائد کی برتری اور اسلامی اعمال کی برگزیدگی۔“(۲)

یہاں صوفی ازم کے روایتی معنی کو زیر بحث لانا سود مند ہو گا، اسلام کی آمد سے قبل موجود مذاہب میں روحانیت کے اعلی مقامات تک رسائی کے لیے تجرد، ترک دنیا، نفس کشی، نفی ذات، مجاہدہ اور حد سے زیادہ زہد وغیرہ کو اختیار کیا جاتا تھا اور رہبانیت اس کا عملی اظہار تھا۔ چنانچہ یہودیت اور عیسائیت میں یہ عام معمول تھا، خصوصاً عبادت گاہوں کے متوسلین اس سلسلے میں مثالی نمونہ تھے۔ ابراہیمی مذاہب کے علاوہ قدیم تہذیبوں میں یونانی، مصری اور بابلی ادوار کے مذاہب میں spiritualism کا تصور موجود تھا کیونکہ دیوی دیوتاؤں کے خیالی(imaginary) وجود کے لیے روحانیت کا سہارا لیا جاتا تھا۔ ایران میں زرتشتی مذہب اور ہندوستان میں بدھ ازم اور جین مت میں رہبانیت کو باقاعدہ عقیدے کی حیثیت حاصل تھی۔ اسلام اکمل الدین کی پوزیشن میں آیا تو خاتم النبیین اس کے وارث ٹھہرے۔ دوسرے انبیاء کی طرح (خصوصا پیشروؤں موسی علیہ السلام اور عیسی علیہ السلام) معجزوں سے نہیں، عقلی دلائل سے لوگوں کو مطمئن کیا۔ یہ ایک علیحدہ سوال ہے کہ ایسا کیوں تھا، اس لیے کہ انسان عقلی لحاظ سے ارتقائی منازل طے کر کے اس منزل پر پہنچ چکا تھا کہ اسے ٹھوس استدلال اور منطق کی ضرورت تھی۔ حیات پیغمبر اور صحابہ کرام کے ادوار میں صوفی ازم کا سکہ متعارف نہیں ہوا البتہ مختلف کرامات کا سرزد ہونا ثابت ہے۔ تابعین اور مابعد اور خصوصا عباسیوں کے عہد میں جب مختلف مذاہب اور تہذیبوں کا مسلمانوں سے میل جول بڑھا تو اثرات کا تبادلہ ہوا۔ عراق اور خاص طور پر اس کے شہر بغداد اور بصرہ تصوف کے لیے معروف ہوئے۔ بعد ازاں ایران میں یہ سلسلہ آگے بڑھا اور صوفیا و مبلغین نے برصغیر میں ورود کیا۔ اسلام کی تبلیغ کا سہرا ان صوفیاء کے سر باندھا جاتا ہے جن کی درگاہیں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ علامہ کے بارے میں مندرج ذیل اطلاع انکشاف کی حیثیت رکھتی ہے:

> ”اقبال سلسلہ ٔ قادریہ میں بیعت تھے اور تصوف ان کے یہاں محض کتابی نظریہ نہیں
> ایک خاندانی روایت کی حیثیت رکھتا ہے۔“(۳)

ڈاکٹر محمد دین فوق کے ساتھ ایک مکالمے میں علامہ نے برصغیر کے صوفیاء کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اقرار کیا تھا کہ یہاں اسلام کا پھیلاؤ انہی کا کارنامہ ہے۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا:

> ”انھوں نے انسانوں کو انسان اور پھر مسلمانوں کو مسلمان بنایا۔“(۴)

عین ممکن ہے کہ ہندوستان کے صوفیانہ مسلک پر بھگتی رنگ بھی چڑھا ہو اور ہندو ازم، بدھ مت اور جین مت اور بعد میں سکھ دھرم کی کئی چیزیں صوفیا نے نومسلموں کے لیے مباح قرار دی ہوں مگر ایک بات طے ہے کہ وحدانیت پر وہ کمپرومائز نہیں کرتے اور یوں بھی مذکورہ

بالا تین مذاہب میں ایک خدا کا تصور بڑا واضح ہے، راسخ ہے۔ اقبال نے چشتی اجمیری، علی ہجویری اور نظام الدین اولیاء کے مقام و مرتبے کو کھلے دل کے ساتھ تسلیم کیا ہے، اس کے علاوہ حقیقی ان جیسے دوسرے صوفیوں اور اللہ والوں کی کرامات کو بھی عقیدت کی نظر سے دیکھتے ہیں:

> "میں کرامتوں کا قائل ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ پاک نفوس جن کو اللہ تعالی نے خالص دل و دماغ عطا کیا ہے اور جو تزکیہ نفس میں صاحب کمال ہیں، تیر از کمان رفتہ اور آب از جو رفتہ واپس لا سکتے ہیں۔"(۵)

غزل جیسی روایتی صنف میں ہیئت اور موضوع ہر دو میں تجربات جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ اقبال کا پر تیقن لہجہ اور مقصد کے ساتھ کمٹمنٹ ان کے فن کو مہمیز دیتے رہے، ایسا فن جو فصاحت و بلاغت کی تمام تعریفوں پر پورا اترتا ہے۔ مثلاً وہ بو علی قلندر اور مولانا روم میں تفاوت کو فقط دو مصرعوں میں دو عدد تراکیب سے ذہن نشین کرا دیتے ہیں:

بو علی اندر غبارے ناقہ گم

دست رومی پردۂ محمل گرفت (6)

علامہ کے نظریہ فن پر گفتگو کرتے ہوئے فرمان فتح پوری نے کہا تھا:

> "وہ فنون لطیفہ کو تفنن طبع یا محض دل بہلانے کا مشغلہ نہیں بلکہ زندگی کی تعمیر، تعبیر اور تزئین کا نہایت ہی موثر اور معتبر وسیلہ سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر میں شاعری انسان کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں بلکہ ایسا آلہ ہے جو کارزار حیات میں علم و حکمت سے زیادہ کارگر ہے۔"(7)

اسی مقصدی جذبے کی بدولت وہ خدا سے ملتمس رہے کہ انھیں وہ تڑپ دے جو دوسروں کو تڑپانے کے کام بھی آئے:

کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو

یارب وہ دل کہ جس کی کسک لازوال ہو

شاعری کی قوت متخیلہ سے وہ بخوبی آگاہ تھے اور اس کی اثر پذیری کے قائل ہونے کی بنا پر اسے اعلی نصب العین کے لیے استعمال میں لائے۔ مذہب کو بچپن، لڑکپن میں انھوں نے روایتی انداز میں پڑھا مگر ان کی سیمابی طبیعت نے جلدی ہر قسم کی حد بندیوں اور رکاوٹوں کو توڑ دیا۔ وسیع مطالعے، عمیق مشاہدے اور فکری اپج نے ان کو اپنے لیے الگ اور منفرد راہ اپنانے میں مدد کی۔ اور خودداری اور حمیّت کے زور پر مشرق و مغرب میں ان کے پیغام کو پذیرائی ملی:

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبریل

اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل

اقبال عقل و عشق کو دو جدا قوتیں مان کر ثانی الذکر کے پیرو بنے اور یہ سب ان کے پیر و مرشد مولانا جلال الدین رومی کی نسبت اور اتباع سے ممکن ہوا۔ رومی کی تعلیمات اور نظریات میں شمس تبریز، فرید الدین عطار اور ابن مسکویہ کے اثرات واضح اپنا ثبات کرتے ہیں:

ے مٹا دیا ہے میرے ساقی نے عالم من و تو

پلا کے مجھ کو لا الہ الا ھو

میرا سبو چہ غنیمت ہے اس زمانے میں

کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

"من و تو" کی بحث فلسفے کا موضوع ہے اور اس کو خالص عقلی حوالے سے مغربی دانشوروں نے لیا اور ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑائے، ارسطو، نٹشے، کانٹ، برگساں ہیگل سب کو اقبال نے پڑھا، سمجھا اور پھر ان سے تاثر بھی لیا مگر وہ اپنی فکر کے زاویے اپنی علمی میراث سے کشید کرتے ہیں۔ مذہب جو بظاہر دو خانوں (شریعت و طریقت) میں بٹ کر صدیوں سے باہم حریفانا چل رہا تھا، جس کی طرف انھوں نے اشارہ کیا:

ے رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے ممبر کی

کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

عشق اپنی دھن میں جان قربان کر کے سرخرو ٹھہرتا ہے، اسی لیے علامہ نے اپنا وزن مولانا رومی کے توسل سے اہل حال کے پلڑے میں ڈالا مگر یہاں بھی وہ روایتی خانقاہی سسٹم سے نالاں دکھائی دیے:

"نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری" کے مصداق وہ جمود کو موت سے تشبیہ دیتے رہے۔ عشق کی قوت تصوف میں ایک خاص مقام کی حامل ہے جہاں پر ہر چیز آکر سرنگوں ہو جاتی ہے:

ے قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

عشق کا مرکز و مبدا دل ہے اور دل کی کائنات سے ہی عالم رنگ و بو کو مسخر کیا جا سکتا ہے۔ علامہ نے اپنی غزلوں میں تشبیہ و استعارہ اور علم بیان کی باقی اقسام اور صنعت شعری کو استعمال میں لاتے ہوئے تصوف کے رموز سے پردہ اٹھایا ہے۔ اقبال کے فنی کمالات پر بات کرتے ہوئے فرمان فتح پوری نے لکھا تھا:

> "اقبال کے نظام فکر میں عشق مرکزی اہمیت کا حامل ہے ایسی اہمیت جسے نظر انداز کر کے کوئی شخص ان کے فلسفہ حیات سے بہرہ مندی اور ان کی شاعری سے لطف اندوزی کا دعوی نہیں کر سکتا۔"(۸)

اس عطیہ خداوندی پر انسانیت کو ناز ہونا چاہیے کیونکہ نعمت ہر مخلوق کو بقدر جثہ عطا ہوئی ہے، لیکن اس کا حقیقی وارث انسان ہے، اقبال نے مرتبۂ آدم کو سامنے رکھتے ہوئے کئی مقامات پر قدسیوں پر اس کی فضیلت کو بیان کیا ہے۔ مثلاً زیرِ نظر شعر میں اسی مضمون کو یوں باندھا ہے:

؎مقام شوق تیرے قدسیوں کے بس کا نہیں

انہی کا کام ہے جن کے حوصلے ہیں زیاد

تصوف میں معراج کے واقعے کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے اور بجا طور پر یہ فلسفیانہ دلیل بھی ہے کہ ملائکہ کا دائرہ پرواز جہاں ختم ہوا وہاں آدم خاکی آگے بڑھ گیا۔ یہ مقام شوق کا نتیجہ تھا۔ بعد میں فرید الدین عطار کی "منطق الطیر" کو اس موضوع کا نصاب تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی کے بارے میں خواجہ میر درد نے کہا ہے:

؎باوجودیکہ پروبال نہ تھے آدم کے

واں پہ پہنچا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا

بعینہ یہی خیال لیے ہوئے ہے۔ اقبال نے اسی منزل کے حصول کے لیے یقین کامل کی ضرورت پر زور دیا ہے:

؎یقیں مثل خلیل آتش نشینی

یقیں اللہ مستی خود گزینی

یقین کی دولت جناب خلیل ابراہیم کو عشق کی رہنمائی میں ملی کہ وہی بے خطر آگ میں کودا تھا، ورنہ عقل نے تو لب بام تذبذب کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ اسی عشق کو ان کے پیر رومی نے ہر مرض کی دوا بتایا ہے۔ یہ دولت جس کے ہاتھ آ جائے وہ موت وحیات کے فلسفوں کو نہ صرف ورطۂ ادراک میں لے آتا ہے بلکہ ان سے بلند ہو جاتا ہے۔ مثنوی میں فرمایا:

؎آب عشق تو چامارا دست داد

آب حیواں شد بہ پیش ما کساد

ترجمہ: ''جب تیرے عشق کا پانی ہمارے ہاتھ آ گیا. ہمارے سامنے آب حیات بے کار ہو گیا۔''(۹)

علامہ اقبال نے عشق اور عمل کو ایک سانس میں اکثر جگہ بیان کیا ہے اور وہ تحرک کو یوں لازم حیات مانتے ہیں جیسے دل کی حرکت ذی روح کے لیے پیغام زیست ہے: رہبانیت زدہ تصوف جو بعض خانقاہوں کا شیوہ تھا اقبال کے لیے قابل قبول نہ تھا کیونکہ جمود کو انھوں نے جہاد کے مخالف بھی اپنے اشعار میں باندھا ہے اور خود جہد کا مادہ عمل پیہم کا پرچارک ہے۔

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے اقبال کی صد سالہ پیدائش کے موقع پر لکھی جانے والی کتاب ''اقبال اور مسلک تصوف'' میں لکھا ہے:

> ''اقبال ایسی تربیت کو جس میں انسان اپنے اپ کو فنا یا محو کرنے کی کوشش کریں تخلیق کائنات کے مقصد کے خلاف سمجھتے ہیں اور اسے نفی خودی کا فلسفہ قرار دیتے ہیں اس لیے اسے قبول نہیں کرتے۔''(۱۰)

یہ بجا اس لیے ہے کہ علامہ تو اثبات خودی پر اپنے فلسفے کی بنیاد کھڑی کرتے ہیں۔ خود آگہی کی منزل کو پالینا عقل کی سرحدوں سے پرے ہے۔ اس لیے یہ حواس کو تو address کر سکتا ہے وراتک رسائی مل جاتی ہے مگر باطن کے رموز کی جانکاری اور ماوراتک مار اس کے بس سے باہر ہے:

؎ خرد راہ روشن بصر ہے

خرد کیا ہے چراغ راہ گزر ہے

درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا

چراغ راہ گزر کو کیا خبر ہے

ظاہر کی آنکھ سے اندرون کی دنیا کے نظارے نہیں ہو سکتے، اس کے لیے اہل عشق سے رجوع لازم ٹھہرتا ہے۔ اسباب کی دنیا میں راہر و کو راہبر کی ضرورت پڑتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کٹھن اندھیرے سفروں کے لیے سکندر کو خضر کی حاجت نہ ہو۔ صوفیا کے مسلک میں اس کو مرشد کامل کہا جاتا ہے۔ اقبال نے معنوی مرشد کو بہت potray کیا ہے اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ صوفیوں کی جماعت میں وہ نفوس قدسیہ موجود ہیں جو رہنمائی کے حقدار ہیں:

؎ گفت دین عامیان؟ گفتم شنید

گفت دین عارفان؟ گفتم کے دید

عارف مشاہدہ حق کے بعد اپنے پیروں کو حقیقی منزلوں سے آشنا کرواتا ہے۔ مرزا غالب نے بھی تو کہا تھا؛"لازم ہے کہ ہو مشاہدہ حق کی گفتگو "کلیم نے مشاہدہ نہ صرف کیا بلکہ کروایا بھی، یہ الگ بات کہ دید میں نظارے کی طاقت نہ تھی۔ یہاں بھی اقبال نے اپنی سوچ میں انفرادیت کو برقرار رکھا ہے:

؎ نگاہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے

کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

انھوں نے بطور شاعر اپنا اسلوب تو الگ بنایا اور وہ ہر شاعر کا ہونا بھی چاہیے، ہوتا بھی ہے مگر غزل کا مخصوص رنگ تقریباً تمام کلاسیکی شعراء کے یہاں یکساں ہے کہ وہ بطور صنف اس کی ضرورت بھی ہے۔ اقبال کی غزل میں مثنوی معنوی کی بازگشت سنائی دیتی ہے، یہ تجربہ کوئی دوسرا کرتا تو شاید عیب بن جاتا مگر علامہ کا ہنر ٹھہرا:

> ”اقبال کی غزل کی زبان اردو کے دوسرے غزل گوئیوں کی زبان سے مختلف بھی ہے اور ناقابل تقلید بھی، اقبال کو اپنی غزل کے لیے نئے انداز کی زبان وضع کرنی پڑی۔“(11)

"بال جبریل" میں غزل جو نو اشعار پر مشتمل ہے، جس میں پہلے چار فطرت کے مناظر کی دل کشی پر دلالت کرتے ہیں اور باقی صوفی رنگ میں رنگے ہیں:

؎ اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و عشق

تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے فرنگی کا راج

من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن(12)

صوفیوں کو من کی دنیا مل جاتی ہے تو وہ دنیوی وسائل سے بے پرواہو جاتا ہے۔ وہ دنیا کے ہر سہارے کو باطل جانتا ہے، یہ بہت بڑا سوال ہے کہ یہ دنیا کیسے حاصل ہوتی ہے۔ صوفی ازم میں سلوک کی منازل کا ذکر ہے جو طویل اور کٹھن مسافت اور ریاضت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اقبال نے کچھ ایسے نسخے بتائے ہیں جو سالک بننے کے لیے نشان راہ کا درجہ رکھتے ہیں:

؎ خدا کے پاک بندوں کو حکومت کی غلامی میں

زرہ کوئی محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

مقام استغنا کے حصول کے بعد کیا کوئی شخص مطلوبہ منزل پر پہنچ جاتا ہے، یا کیا ہر غنی وادئ سلوک میں قدم رکھ سکتا ہے؟ اس پر علامہ اقبال نے اپنی غزلوں میں کھل کر اظہار خیال کیا ہے، ان کے نزدیک مرشد کی ایک نظر کرم مرید کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے اور اس کی دنیا بدل کے رکھ دیتی ہے۔ دنیا جہان کے علم اور فلسفے اور منطق وہ کام سرانجام نہیں دے سکتے جو فقط ایک نگاہ کرتی ہے:

؎ خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں

تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

یہ وہی نظر ہے جس نے کم سن اسماعیلؑ کو اپنے والد بزرگؑ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ یہی نظر انسان کو انسانِ کامل کے مرتبے پہ فائز ہونے میں معاونت کرتی ہے۔ اسے اقبال نے مرد مومن کا نام دیا اور جسے نتشے "سپر مین" کہتا ہے:

؎ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیر

چونکہ عشق کا مسکن دل ہے اور دل و نگاہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے لہٰذا ضروری ہے نگاہ پر توجہ کی جائے:

؎نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی

کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو

راہ تصوف میں جو مختلف مراحل ہیں مثلاً عالم ناسوت، عالم جبروت، عالم ملکوت، عالم لاہوت ۶، ۳، ۲ وہ سب اقبال کو مدرسے اور خانقاہ میں نظر نہیں آتے، اسی لیے وہ ہر دو سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں:

؎اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک

نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

حدیث دل کسی درویش بے گلیم سے پوچھ

خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

فرید و تبریز والی حکایت اسی مضمون کو بیان کرتی ہے لہٰذا اقبال ہر شخص کو مرشد کامل کا پلو پکڑنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ کئی مقامات پر غزلوں میں بظاہر وہ شاعرانہ تعلی کا شکار نظر آتے ہیں مگر صوفیاء کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں تو اقبال خود ایک صوفی دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر علی شریتی نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ذات مطہرہ کے بعد اقبال کے فنی کمالات کا جس طرح appraisal کیا ہے اس میں مبالغہ ہو سکتا ہے مگر ان کے کلام کو بغائر ملاحظہ کریں تو یہ کھلتا ہے کہ وہ علم لدنی کے اسرار سے واقفیت رکھتے تھے:

؎خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ

سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ

نہ بادہ ہے نہ صراحی نہ دور پیمانہ

فقط نگاہ سے روشن ہے بزم جانانہ (۱۳)

حقیقی دین کی بازیافت اقبال کا مقصد حیات رہا ہے اور اسلامی تعلیمات کے حصول میں جو تشنگی رہ گئی، اس کا انھوں نے اظہار بھی کیا۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اس حوالے سے علامہ کے ایک خط کا حوالہ دیا ہے۔:

> "میں جب اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر یورپ کا فلسفہ وغیرہ پڑھنے میں گنوائی۔۔۔۔ اگر یہ قویٰ دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسولؐ کی میں کوئی خدمت کر سکتا تھا۔"(۱۴)

"کلام اقبال" روشنی کا وہ منارہ ہے جو مسلمانوں کو نشان منزل کا پتہ دیتا ہے، ان کی غزل خوانی میں ان کی فکر پورے طمطراق کے ساتھ موجود ہے۔ سلیم احمد نے لکھا ہے:

"اقبال کی غزل میں ان تمام شکوک کی توجیہ مل جاتی ہے جو ان کے نظریوں کا نتیجہ بتائے
جاتے ہیں اسلامی عقیدہ اور عمل گیتی نورد ہے، اسی لیے اسلام کا تصور قومی نہیں ہے۔"(۱۵)

اقبال نے عشق رسولؐ کو مومن کے لیے سرمایۂ ابدی بتایا ہے۔ ان سے وفا ہو گئی تو لوح و قلم بھی تسخیر ہونا مشکل نہیں۔ شاعر مشرق کو مدینہ حاضری نہ دینے کا جو قلق رہا ہے اس کا تذکرہ "زندہ رود" میں موجود ہے۔ جس طرح مولانا حالی نے کہا تھا:

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے

امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

اقبال بھی اپنی اور اپنی قوم کی حالت زار کے لیے پیغمبر اکرم سے ملتمس ہیں:

تو اے مولائے یثرب میری چارہ سازی کر

میری دانش ہے افرنگی میرا ایماں ہے زناری

اقبال نے صوفیوں کے انداز میں اپنی غزل کے ایک شعر میں آنے والی مسلم نسلوں کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ ان کی ذات کے حوالے سے فیض حاصل کر سکتے ہیں:

زیارت گاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری

کہ خاک راہ کو میں نے بتایا راز الوندی

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفی خان، اقبال اور قران، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1977ء)، ص5
۲۔ رشید احمد صدیقی، اقبال شخصیت اور شاعری، (نئی دہلی: اقبال صدی پبلی کیشنز، 1977ء)، ص116
۳۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، اقبال اور مسلک تصوف، (لاہور: اقبال اکادمی، 1977ء)، ص401
۴۔ ایضاً، ص407
۵۔ ایضاً، ص413
6۔ ایضاً، ص313
7۔ فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے، (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، 1978ء)، ص211
8۔ فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے، ص235
9۔ مولانا جلال الدین رومی، مثنوی مولوی معنوی، مترجم: قاضی سجاد حسین، (لاہور: الفیصل ناشران کتب، 1976ء)، ص422
10۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، اقبال اور مسلک تصوف، ص396
11۔ رشید احمد صدیقی، اقبال شخصیت اور شاعری، ص116
12۔ علامہ اقبال، دیوان اقبال، (لاہور: انتخاب وطن پبلی کیشنز)، ص69-70

13۔ علامہ اقبال، بال جبریل، ص85
14۔ رفیع الدین ہاشمی، اقبال شخصیت اور فکر و فن، (لاہور: اقبال اکادمی، طبع دوم، 2010ء)، ص2074
15۔ سلیم احمد، اقبال ایک شاعر، (لاہور: نقش اول کتاب گھر،)ص75

References:

1.Dr. Ghulam Mustafa Khan, Iqbal Aur Quran, (Lahore: Idara Saqafat Islamia, 1977), p. 5
2.Rashid Ahmed Siddiqui, Iqbal Shakhsiat Aur Shairi, (New Delhi: Iqbal Saddi Publications, 1977), p. 116
3.Dr. Abu-ul-Laith Siddiqui, Iqbal Aur Maslak Taswuf, (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1977), p. 401
4.Ibid., p. 407
5.Ibid., p. 413
6.Ibid., p. 313
7.Farman Fatehpuri, Iqbal Sab Ke Liye, (Karachi: Urdu Academy Sindh, 1978), p. 211
8.Farman Fatehpuri, Iqbal Sab Ke Liye, p. 235
9.Maulana Jalaluddin Rumi, Masnavi Molvi Maanvi, Translated by Qazi Sajjad Hussain, (Lahore: Al-Faisal Publishers, 1976), p. 422
10.Dr. Abu al-Laith Siddiqui, Iqbal Aur Maslak Taswuf, p. 396
11.Rashid Ahmed Siddiqui, Iqbal Shakhsiat Aur Shairi, p. 116
12.Allama Iqbal, Diwan Iqbal, (Lahore: Intikhab Watan Publications), p. 69-70
13.Allama Iqbal, Bal Jibril, p. 85
14.Rafiuddin Hashmi, Iqbal Personality and Thought, (Lahore: Iqbal Academy, 2nd edition, 2010), p. 2074
15. Salim Ahmed, Iqbal Ek Shair, (Lahore: Naqsh-e-Awal Kitab Ghar,) p. 75